رسائل و مسائل

مسلمانوں کے گذشتہ کارناموں پر لٹریچر کی ضرورت

سوال: یہاں یورپ کی فضا میں رہتے ہوئے میں اس امر کی شدید ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ملت اسلام کے گذشتہ اعلیٰ کارناموں کی تحقیق کرکے انھیں سائنٹفک طرز پر پیش کیا جائے۔ ایسی چیزیں پڑھ کر ذہین لوگ بہت اچھا اثر لیتے ہیں۔ کیا آپ انگریزی اردو کی ایسی اچھی اچھی کتابوں کا پتہ دے سکتے ہیں، جنھیں یہاں استعمال کیا جاسکے۔ مثال کے طور پر میرے سامنے ایک کتاب Lagacy of islam ہے، میں نے اسے پسند کیا ہے، آپ نے اگر اسے دیکھا ہو تو اس کے متعلق رائے دیجیے:

جواب: جس قسم کا مواد آپ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے گذشتہ کارناموں کے متعلق پیش کیا جائے وہ انگریزی میں تو صرف دو چار کتابوں میں جمع کیا گیا ہے۔ لیکن اردو اور عربی میں بکثرت کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔ مصر و شام کے متعدد اہل قلم اور ہندوستان میں مولانا شبلی اور ان کے مکتب خیال کے لوگوں نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔

Lagacy of islam میں جو کچھ لکھا ہے وہ اصل تصویر کو بہت کچھ گھٹا کر اور بگاڑ کر پیش کرتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ لفظ Lagacy تو نہایت ہی Mis-leading ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اسلام ایک گذری ہوئی چیز کا نام ہے جو حال پر اپنے کچھ نقوش چھوڑ گئی ہے۔ لیکن ہم اسلام کو صرف ماضی ہی کی نہیں، بلکہ حال کی اور اس سے بڑھ کر مستقبل کی چیز سمجھتے ہیں اور اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام

سوال: میرے ایک آزاد خیال ہندو دوست جو اسلام کی تعلیمات سے کسی قدر متاثر ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہندو مت چونکہ کوئی مکمل نظام زندگی نہیں ہے، اس وجہ سے دورِ حاضر میں اس سے وابستہ رہنا سنجیدہ اور ذہین ہندو طبقہ کے لیے مشکل ہو گیا ہے۔ پس ہندوستان میں اسلام کے از سر نو فروغ پانے کا موقع موجود ہے۔ اگر وہاں اسلام کا نام لیے بغیر اسلام کے اصول و ضوابط کو پھیلانے کی کوشش کی جائے تو بہت سے ہندو اسے قبول کر سکیں گے۔ لیکن اسلام کے نام سے ہندو سوسائٹی میں جو چڑ پیدا ہو گئی ہے، اس کی وجہ سے کھلم کھلا نظام اسلامی کا پرچار کرنا سود مند نہیں رہا۔ میں بھی اپنے دوست کے اس خیال سے ایک حد تک متفق ہوں۔ کیا آپ اس طریق تبلیغ کو اختیار کر سکتے ہیں، یا اس کا کوئی تجربہ کیا جا چکا ہے؟

جواب: آپ کے ہندو دوست نے اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں جو مشورہ دیا ہے وہ پہلے سے ہمارے پیش نظر ہے اور بعض مواقع پر ضرورۃً ہم اس پر عمل بھی کرتے ہیں، لیکن معمولاً اسلام کی تبلیغ کا یہ طریقہ کچھ زیادہ کارگر نہیں ہے۔ صحیح طریقہ وہی راست (Straight forword) طریقہ ہے جس میں اسلام کو اسلام کے نام ہی سے کھلم کھلا پیش کیا جائے۔ اس کی کامیابی میں جو مشکلات نظر آتی ہیں وہ صرف اس وقت تک ہیں جب تک زبان سے تو مسلمانوں کی دعوت اسلام کی طرف ہو لیکن عمل سے وہ شہادت کفر کی دے رہے ہوں۔ یہ خرابی اگر دور ہو جائے اور ہماری اپنی زندگیاں اس حق کی شہادت دینے لگیں جس کی دعوت ہم زبان سے دیتے ہیں تو غیر مسلم انسان زیادہ مدت تک اپنے تعصبات پر جمے نہ رہ سکیں گے اور Vested intrests رکھنے والے خود غرض لوگوں کے سوا صاف ستھری فطرت کے لوگ اس پر ایمان لاتے چلے جائیں گے۔

اسلامی ریاست میں ٹیکس

سوال: کیا اسلامی ریاست علاوہ زکوٰۃ عشر وغیرہ کے موجودہ گورنمنٹوں کی طرح از خود عاید کی

مرضی کے بغیر ٹیکس لگا سکتی ہے؟ ورنہ یہ بتایا جائے کہ وہ گوناگوں اخراجات کو کیسے پورا کرے گی؟

جواب:- یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ اسلامی ریاست کی "منصوص" آمدنیاں اس کے جملہ اخراجات کو پورا کرسکیں، کیونکہ زکوٰۃ، عشر، صدقات وغیرہ کی بڑی بڑی رقوم کے مصارف متعین و مخصوص ہیں اور اسلامی ریاست کی آمدنیاں دے سکنے والے محکمے خرچ کرنے والے محکموں سے کم ہیں۔ پس یہ بات ناگزیر ہے کہ دوسرے مناسب طریقوں سے مصارف کو پورا کیا جائے۔ ان طریقوں میں سے ایک تو چندہ کا طریقہ ہے اور دوسرا ٹیکس کا۔

آجکل کے مالیات کے بجٹ جس صحت کے ساتھ سال کے شروع میں بنانے ضروری ہو گئے ہیں اور زرعی، معاشی، تعلیمی اور رفاہ عامہ کے مختلف امور میں منصوبہ بندی کی جو اہمیت پیدا ہو گئی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرون اولیٰ کا چندہ سسٹم[1] پوری طرح کارگر نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ممکن ہے کہ بعض امور کے لیے چندہ کا طریقہ اختیار کیا جائے مگر ریاست کے تمام معاملات میں یہ صورت موزوں نہیں ہو سکتی۔

اگر ملک گیر معاملات میں چندہ سسٹم کو اختیار کیا جائے تو اس کا طریق بھی یہ ہوگا کہ ریاست مطلوبہ رقم کی مقدار کو معین کر کے مختلف علاقوں یا شہروں اور بستیوں کا حصہ مقرر کر دے کہ کس جگہ سے کتنی رقم آنی چاہیے۔ پھر وہاں کے مقامی منتظمین ایک نظم کے ساتھ جو مقامی لوگوں کے مشورہ سے طے ہوگا اس متعین رقم کو فراہم کریں گے۔ جو جتنی حیثیت کا مالک ہوگا، اسی کے مطابق وہ اس میں حصہ لے گا اور جو لوگ معذور ہوں گے وہ مستثنیٰ رہیں گے۔

علاوہ بریں جو ٹیکس امیر اور اس کی مجلس شوریٰ بطور خود لگاتا ہے، ان کے متعلق یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ گویا رعایا کی مرضی کے بغیر عائد کیے گئے ہیں۔ بخلاف اس کے صورت واقعہ یہ ہوگی کہ امیر کی ذات اور اس کی مجلس شوریٰ رعایا ہی کی مرضی کی نمائندگی اور وکالت کرنے والی ہے اور وہ جس طرح رعایا کی ساری اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے رعایا کی وکیل ہے، اسی طرح ان کے جملہ مصارف کو فراہم کرنے میں بھی وہ رعایا کی وکیل ہے۔ پس اگر وہ ٹیکس عائد کرے تو یہ گویا خود رعایا ہی کا اپنے اوپر ٹیکس عائد کرنا ہوگا۔

[1] دور نبوی اور خلافت راشدہ میں مواقع جنگ پر جو مصارف سامنے آجاتے تھے ان کو پورا کرنے کے لیے مسلم سوسائٹی سے عام اپیل کر دی جاتی تھی۔